بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

ترجمان القرآن کے گذشتہ شمارے میں ہم نے آمریت کے ان ہتھکنڈوں کا ذکر کیا تھا جن کی مدد سے وہ کسی ملک اور قوم پر مسلط ہو کر اُن کے لیے عذاب بنتی ہے۔ ان صفحات میں ہم اشتراکیت کی ان ریشہ دوانیوں اور چالبازیوں کا تذکرہ کرنا چاہتے ہیں جن کے ذریعہ ایک محدود سی اقلیت کسی ملک اور قوم کی عظیم اکثریت کے حقوق کو پامال کر کے اس کی آرزوؤں اور تمناؤں کے خون سے ہولی کھیل کر اور اس کی زندگی کے مختلف دائروں میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا کر نہایت ہی ظالمانہ اور سفاکانہ حربوں کے ساتھ نہ صرف تختِ اقتدار پر متمکن ہوتی ہے، بلکہ اس کی معیشت، معاشرت، تمدن اور ثقافت یہاں تک کہ اس کی رُوح کو بھی اپنی آہنی گرفت میں لے لیتی ہے۔

مغرب کی سرمایہ دارانہ جمہوریت بلاشبہ ایک بُرائی ہے، آمریت بھی ایک قہر ہے جو کسی قوم یا ملک پر نازل ہوتا ہے لیکن یہ بات بلاخوف و تردید کہی جاسکتی ہے کہ جس نظام کو دنیا سوشلزم یا سائنٹیفک سوشلزم کے نام سے جانتی ہے وہ ایک ایسا دردناک عذاب ہے جس کی قہرمانیوں کا کچھ وہی لوگ اندازہ کر سکتے ہیں جن پر یہ عذاب مسلط ہوا ہے۔ انسانیت کے جو گروہ اس کی لپیٹ میں ابھی تک نہیں آئے ان کی اچھی خاصی تعداد اس کے استبداد کو کما حقہ سمجھنے سے قاصر ہے اور بعض بدنصیب افراد اس باطل نظام کے گماشتوں کی پھیلائی ہوئی خوش فہمیوں کی وجہ سے اس کے بارے میں کسی حد تک حسنِ ظن بھی رکھتے ہیں۔ اسے دَورِ جدید کے دیگر عجائبات کی طرح کذب اور دروغ گوئی کے فن کا کمال سمجھیے کہ جو حقائق دن سے زیادہ روشن ہیں انہیں جھوٹے پراپیگنڈے کی مدد سے عوام کی نظروں سے اوجھل رکھا جارہا ہے۔ یا اُن کے بارے میں اُن کے ذہنوں پر غلط قسم کے اثرات

مترتب کیے جا رہے ہیں جن کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ اس سادہ سی حقیقت کے بارے میں متعدد الجھنوں کا شکار ہو گئے ہیں کہ اگر ایک بُرائی کو قوت مہیا کر کے سہ آتشہ کر دیا جائے تو وہ پہلے کے مقابلے میں زیادہ خوفناک ثابت ہوتی ہے۔

سرمایہ داری ایک لعنت ہے جس نے کسی معاشرے کے اندر سرمایہ داروں کی جھوٹی کبریائی کو جنم دیا ہے اور جس کی وجہ سے معاشرے کی عظیم اکثریت مختلف قسم کی محرومیوں کا شکار ہو جاتی ہے۔ اس طرح آمریت بھی ایک عذاب ہے جو ایک شخص کی خدائی اور باقی سب افراد کے انسانی حقوق کی پامالی کی صورت میں کسی ملک اور قوم پر مسلط ہوتا ہے۔ فنی اصطلاحات کی فریب کاریوں کا اگر پردہ چاک کر کے اشتراکیت کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ نظام بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ سرمایہ داری کی لعنت اور آمریت کا عذاب دونوں یکجا ہو کر کسی قوم اور معاشرے کو اپنے خوفناک شکنجے میں لے لیتے ہیں۔ اگر سرمایہ کا چند ہاتھوں میں ارتکاز کسی معاشرے کے اندر لاتعداد بُرائیوں کو جنم دے سکتا ہے تو کسی قوم کے کل سرمائے اور ذرائع پیداوار کی اُن ہاتھوں میں تحویل جو آمرانہ عزائم رکھنے کے ساتھ ساتھ کسی ملک کے مطلق العنان فرمانروا بھی ہوں کس طرح کسی معاشرے کے لیے خیر اور بھلائی کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ یہ عجیب منطق ہے کہ سرمایہ داری کی لعنت اور آمریت کا عذاب اگر الگ الگ ہوں تو وہ انسانوں کے لیے جہنم ہیں لیکن جب یہ لعنت اور عذاب دونوں ایک ہی نظام کے اندر سمو دیے جائیں تو وہ جنت کا نقشہ پیش کرنے لگیں۔ اس آسمان کے نیچے اس سے بڑی ابلہ فریبی اور کیا ہو سکتی ہے؟

ظاہر بات ہے کہ اس نوعیت کے غیر فطری اور ظالمانہ نظام کے تسلط کو کوئی قوم برضا و رغبت تو قبول نہیں کر سکتی اس لیے اسے ہمیشہ سازشوں کے ذریعہ آگے بڑھا کر کسی قوم پر مسلط کیا گیا ہے۔ اگر آپ اس نظام کی تاریخ ملاحظہ فرمائیں تو آپ پر یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ نفرت اور منفی اندازِ فکر نے اس نظام کو جنم دیا، مکر و فریب نے اس کی آبیاری کی، سازشوں نے اسے پروان چڑھایا اور تشدد کے بل بوتے پر یہ نظام کسی معاشرے میں ایک غالب قوت بننے میں کامیاب ہوا۔ چنانچہ یہ نظام اپنی توسیع و ترقی اور حفظ و بقا کے لیے کبھی وہ راستہ اختیار نہیں کر سکتا جو دُنیا کے صحت مند نظام کرتے رہے ہیں کہ پہلے ایک نظریہ کا پرچار کیا جائے اور جو لوگ اس نظریے کی صحت کے قائل ہو کر اُسے اپنانے پر رضامند ہو جائیں ان کے ذریعے اسے

ایک مؤثر قوت بنایا جائے اور پھر اس کی تائید اور حمایت سے اس نظریے کے تقاضوں کے مطابق معاشرے کی ہیئت کو تبدیل کیا جائے۔ اشتراکیت تو سارا کھیل ہی چالبازی، سازش اور تشدد کا ہے۔ مثال کے طور پر آپ اشتراکیت کی بنیادی دعوت پر ہی غور فرمائیں تو آپ یوں محسوس کریں گے کہ آپ کسی داعی کا پیغام حق نہیں سن رہے بلکہ دھوکہ بازوں کے نرغے میں گھر گئے ہیں۔ ایک سمت سے آپ کے کانوں میں یہ آواز آتی سنائی دے گی کہ "اشتراکیت محض غریبوں کے دکھوں کا مداوا ہے اور یہ نظام کسی مذہب سے کوئی تعرض نہیں کرتا، دوسری سمت سے آپ یہ صدا سنیں گے کہ اشتراکیت کا مقصد لوگوں کو مذہب اور اس کے طلسمات سے آزاد کرانا ہے۔ ایک طرف اشتراکیت کے جمہوری مزاج کے تذکرے ہوں گے اور دوسری طرف اس کی آمرانہ ہیئت کی خوبیاں گنوائی جا رہی ہوں گی۔

اشتراکیت کی بنیادی دعوت کی طرح اس کے افکار و تصورات اور اس کے عملی مضمرات میں بھی ہر قدم پر کھلا ہوا تضاد پایا جاتا ہے۔ یوں تو اس ضمن میں متعدد مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں لیکن میں تاریخ کی اشتراکی تعبیر سے ایک دو مثالیں پیش کرتا ہوں جن سے اشتراکیوں کی پریشان فکری اور پریشان نظری کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ اشتراکیت مذہب کی کس قدر دشمن ہے اسے ہر وہ شخص اچھی طرح جانتا ہے جو اس کا تھوڑا سا مطالعہ بھی رکھتا ہے۔ اشتراکیت کے علمبرداروں نے جتنی گالیاں مذہب اور اہل مذہب کو دی ہیں وہ سرمایہ داری اور سرمایہ داروں کو بھی نہیں دیں۔ یہ لوگ مذہب کو تمام برائیوں کی جڑ، ساری بے انصافیوں کا منبع اور انسانیت کی ساری محرومیوں کا واحد سبب سمجھتے ہیں لیکن ان لوگوں کی منافقت کا یہ عالم ہے کہ جہاں مذہب کی تائید کے بغیر بات بنتی نظر نہ آئے وہاں بڑی ڈھٹائی کے ساتھ مذہبی اصطلاحات اور مذہبی معتقدات و افکار سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور مذہب کا لبادہ اوڑھ کر کسی مذہبی معاشرے پر شبخون مارتے ہیں۔ منافقت کا یہ رنگ دوسرے اور تیسرے درجے کے اشتراکیوں ہی میں نہیں بلکہ ان کے صف اول کے رہنماؤں اور مفکرین کے افکار و اعمال میں بھی صاف دکھائی دیتا ہے۔

اشتراکیت میں تاریخ کی مادی تعبیر کو وہی اہمیت حاصل ہے جو مذہب میں عقیدے کو حاصل ہوتی ہے۔ اس بنا پر دوسرے نظامہائے حیات کی طرح اشتراکی نظام کے بارے میں بھی اس بات کی بجا طور پر توقع رکھی جا سکتی ہے کہ اس کے علمبردار کم از کم اپنے اس بنیادی عقیدے سے کسی مرحلہ پر اور کسی دائرے میں بھی انحراف پر تیار نہ ہوں گے۔ لیکن افسوس اس معاملے میں بھی انہوں نے کسی اخلاص، ذہنی اور فکری ہمواری اور استقامت کا ثبوت

نہیں دیا بلکہ اپنے اس اساسی تصور سے قدم قدم پر اس طرح انحراف کیا ہے کہ انسان یہ سوچنے لگتا ہے کہ کیا اس نظام کی کوئی فکری اور اعتقادی اساس بھی ہے یا یہ محض طالع آزمائی کے فن میں مہارت حاصل کرنے کی مشق ہے۔

اگر مذہب انسانوں کے لیے فی الحقیقت افیون ہے تو جو لوگ اس کے داعی ہیں ان کا شمار ہمیشہ انسانیت کے دشمنوں کی صف میں ہونا چاہیے لیکن مذہبی حلقوں کو اپنے دام میں پھانسنے کے لیے اشتراکی منکرین ایک ہی سانس میں مذہب پر لعن طعن بھی کرتے ہیں اور مذہب کے علمبرداروں کی اس انداز سے مدح و ستائش بھی کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے ادوار میں نہ صرف طبقاتی شعور کو جلا دی بلکہ اس کے تقاضوں کو بھی اچھی طرح پورا کیا۔ ہندوستان کے مشہور اشتراکی مفکر ایم۔ این۔ رائے نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تاریخی کردار پر جو کتاب تصنیف کی ہے اس میں یہ طرز فکر خاص طور پر جھلکتا نظر آتا ہے۔ یہ مذہب کے معاملے میں کھلی ہوئی منافقت نہیں تو اور کیا ہے کہ ایک طرف تو مذہب کو افیون کہا جائے اور دوسری طرف اس کے علمبرداروں کے کارناموں کی اس اعتبار سے تعریف کی جائے کہ انہوں نے انسانوں کو اپنے مخصوص دور میں اشتراکی نقطہ نظر سے طبقاتی شعور عطا کیا۔ اگر مذہب انسانیت کے لیے سم قاتل ہے تو پھر جو لوگ یہ زہر کسی معاشرے کے رگ و پے میں پھیلاتے ہیں وہ کبھی محسن انسانیت نہیں ہوسکتے اور اگر وہ فی الحقیقت محسن انسانیت ہیں تو اس صورت میں وہ جن معتقدات، جن افکار و نظریات کی صحت پر مہر ثبت کر رہے ہیں وہی صحیح اور برحق ہیں اور ان کے خلاف جو کچھ موجود ہے وہ سراسر باطل اور کذب و فریب ہے۔

اشتراکیت کے علمبرداروں کی یہ کھلی ہوئی منافقت دنیا کے ہر اس حصے میں بآسانی دیکھی جاسکتی ہے جس میں انہیں کام کرنے کے کوئی مواقع فراہم ہوتے ہیں۔ دوسرے ممالک میں ان کی سازشوں کو نظر انداز کر کے اگر صرف پاکستان میں ان کی "سرگرمیوں" کا مطالعہ کیا جائے تو اشتراکی فکر و عمل کے بہت سے بھیانک گوشے سامنے آتے ہیں۔ پاکستان کے معرض وجود میں آنے سے پیشتر بائیں بازو سے تعلق رکھنے والوں کی عظیم اکثریت کانگریس کی صفوں میں موجود تھی اور مسلم لیگ کو سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کی جماعت کے طعنے دیے جاتے تھے لیکن جس وقت سرخ فوج کے جیالوں کو اس امر کا احساس ہوا کہ اب اس جماعت کی جدوجہد لازمی طور پر پاکستان کے قیام پر منتج ہوگی تو یہ جیالے کانگریس کو خیرباد کہہ کر مسلم لیگ کی صفوں میں آگھسے اور اپنی اس بے اصولی کو اس بھونڈی دلیل کے ذریعے چھپانے کی کوشش کی کہ اب طبقاتی شعور اس بات کا متقاضی ہے کہ ہندوستان کے مسلمان ہندو سے

الگ ہوکر اپنی ایک نئی دنیا آباد کریں۔ چنانچہ بڑے کٹر قسم کے اشتراکی جن کی عمریں مارکس اور لینن کا کلمہ پڑھتے ہوئے گزری تھیں وہ مسلم لیگ کے قافلہ سالار بن گئے اور عوام کے اندر اپنی حیثیت کو اس طرح نمایاں کرنے میں سرگرم عمل ہوئے کہ پاکستان کے افق پر قائد اعظم کے بعد ان کی شخصیتیں ہی سب سے زیادہ تابندہ نظر آئیں اور وہی عوام الناس کی محبت اور عقیدت کا مرکز بنیں۔

ان لوگوں نے اپنی سیاسی وفاداریاں تبدیل کر کے پاکستان میں اشتراکی انقلاب کی راہ ہموار کرنے کی بھرپور کوششیں شروع کیں اور اس مقصد کے حصول کے لیے جو ناپاک سے ناپاک حربے بھی کام میں لائے جا سکتے تھے انہیں بڑی عیاری کے ساتھ استعمال کیا۔ ان میں سے ایک گروہ نے اپنا یہ شیوہ بنایا کہ جو حکومت بھی قائم ہو اس کی مدح سرائی کر کے اس سے زیادہ سے زیادہ دنیوی فوائد حاصل کیے جائیں اور خصوصاً اس کی مدد سے ذرائع ابلاغ اور شعبہ تعلیم پر پوری طرح قبضہ کر لیا جائے۔ اس میدان میں اشتراکیوں کو اچھی خاصی کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ آپ اگر ریڈیو، ٹیلیویژن اور سرکاری اخبارات کے کارکنوں کا جائزہ لیں تو آپ کو وہاں اشتراکیوں کی بڑی مستعد سپاہ مصروف عمل نظر آئے گی۔

اشتراکیت کے ان کارندوں نے بڑی چابکدستی سے ان مختلف محاذوں پر کام کیا ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے اپنی زیادہ تر توجہ ہمیشہ اس بات پر مرکوز رکھی ہے کہ پاکستان کے حقیقی نصب العین یعنی اسلامی نظام کے قیام کے بارے میں قوم کے اندر شدید انتشار پیدا کیا جائے اور اسے اسلامی اقدار حیات سے متنفر کر کے لادینی اقدار کا گرویدہ بنایا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے یہ لوگ مختلف قسم کی فریب کاریوں سے کام لیتے چلے آرہے ہیں۔ اس ضمن میں اسلامی نظام کے بارے میں طرح طرح کی غلط فہمیاں پھیلانے کی کوششیں ہوتی رہی ہیں۔ کبھی مسلمانوں کی نوخیز نسلوں کے سامنے یہ سوال اٹھایا جاتا رہا ہے کہ کیا پاکستان میں اس نظام کو قائم کیا جائے جو دس برس بھی کامیابی سے نہ چل سکا، کیا آج ہماری جگ ہنسائی نہ ہوگی اگر ہم ایک ایسے نظام کے تحت زندگی بسر کرنا گوارا کر لیں جو غلام اور لونڈیاں رکھنے اور ایک سے زیادہ عورتوں کے ساتھ رشتہ مناکحت استوار کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ کیا یہ دیوانگی نہیں کہ چودہ سو برس بیشتر کے اصول و ضوابط کو جو ایک بالکل غیر مہذب معاشرے کے لیے وضع کیے گئے تھے انہیں دورِ جدید کے ترقی یافتہ معاشرے پر نافذ کر دیا جائے، کیا اس کے نفاذ سے مسلمان صدیوں پیچھے نہ جا پڑیں گے اور اس طرح ان سارے فوائد سے اپنے آپ کو محروم نہ کر لیں گے جو دورِ جدید

کے سائنسی کمالات کے رہین منت ہیں۔

نوجوانوں کے اندر اس نوعیت کی متعدد ذہنی الجھنیں پیدا کرنے کے علاوہ ان حضرات نے مسلمانوں کی تاریخ کے ساتھ وہ ظالمانہ سلوک کیا ہے جو کسی متعصب سے متعصب غیر مسلم مستشرق کو تو شاید زیب دیتا ہو لیکن کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔ مسلم قوم کے سب سے زیادہ تابناک دور کو قتل و غارت اور فتنہ و فساد کا دور ثابت کرنے کی کوششیں کی گئیں اور اس کے مقابلے میں ایک منصوبے کے تحت ایسے ادوار کو نمایاں کرنے میں اپنی ذہانت کے جوہر دکھائے گئے جو غیر اسلامی سرگرمیوں کے لیے تو ممکن ہے اپنے اندر کوئی کشش رکھتے ہوں مگر اسلامی نقطۂ نظر سے وہ کسی اہمیت کے حامل قرار نہیں دیے جا سکتے۔ مسلمانوں کا جو فرمانروا جس قدر زیادہ بگڑا ہوا انہیں نظر آیا انہوں نے اس کی کرتوتوں کو ستائش کا رنگ دے کر خوب اچھالا تاکہ مسلم قوم کے اندر اپنے ماضی سے نفرت پیدا ہو۔

مسلم مفکرین اور اصحاب علم میں بھی وہ لوگ ان اشتراکیوں کی ثنا خوانی کے مستحق ٹھہرے جن کے افکار و نظریات میں جاہلیت کی چاشنی موجود تھی اور جنہیں کسی اعتبار سے بھی خالص اسلامی فکر کے علمبردار نہیں کہا جا سکتا۔ اس امت کے نامور ائمہ، محدثین، مفسرین جن کی کاوشوں سے اسلامی تعلیمات اپنی اصل صورت میں ہم تک پہنچی ہیں یہ سب تو ان اشتراکیوں کی نظروں سے مستور رہے اور ان میں سے کسی ایک شخص کی پاکیزہ زندگی اور اس کی بیش قیمت علمی خدمات کے بارے میں ان لوگوں نے کبھی کوئی کلمہ خیر نہیں کہا اور اگر کسی وقت کہنے پر مجبور بھی ہوئے تو ان باتوں کا تذکرہ کیا جن میں ذم کا پہلو نکلتا تھا۔

ان اشتراکیوں کو اسلام اور اسلامی تہذیب سے جس قدر نفرت ہے وہ کسی دوسرے مذہب اور تمدن سے نہیں۔ یہ ہندومت اور بدھ مت کی بڑے جوش و خروش سے مدح و ستائش کریں گے۔ یہ ہندو تہذیب و ثقافت کی خوبیاں گنوانے میں پیش پیش ہوں گے، یہ مغربی تمدن کے اوصاف اس انداز سے بیان کریں گے کہ ان کی عظمت کا نقش خود بخود دلوں پر بیٹھتا چلا جائے اور انسان یہ محسوس کرنے لگے کہ جس معاشرے پر اس تمدن کی چھاپ نہیں وہ کسی صورت میں کوئی مہذب معاشرہ کہلانے کا استحقاق نہیں رکھتا۔ یہ حضرات اگر اسلامی تمدن کے کسی پہلو کی طرف متوجہ بھی ہوں گے تو ان کی توجہ کا مرکز وہ چیزیں ہوں گی جن کا دین سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں بلکہ جنہیں امت

کے تفقہ علماء اور فقہاء نے بدعات اور غیر شرعی افعال و اعمال سے تعبیر کیا ہے۔ ان اشتراکیوں نے اسلام سے اپنی محبت اور عقیدت کا جب کبھی اظہار کیا ہے تو ایسے کاموں میں دلچسپی کے ذریعے کیا ہے جن سے نظامِ شریعت سے بغاوت کا جذبہ پیدا ہو اور انسان کے ذہن میں یہ خیال راسخ ہو کہ مذہب ایک خاص نوعیت کے ذہنی سرور کا نام ہے جس کا اس کی خارجی زندگی سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ یہ حضرات قوالی اور سماع اور وجد و حال کی محفلوں میں شریک ہو کر ان کی بڑی حوصلہ افزائی کرتے ہیں تاکہ مسلمان ان "روحانی سرگرمیوں" کو ہی اصل دین سمجھ کر شرعی پابندیوں سے اپنے آپ کو آزاد کر لیں۔ اسی طرح انہیں مزاروں پہ چادریں چڑھانے اور عرسوں کی رونق بڑھانے میں تو بڑا لطف آتا ہے لیکن ان صوفیا کی دینی خدمات سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ پھر ان بزرگوں کی اگر کوئی تحریر یا کلام محفوظ ہو تو یہ لوگ ان حصوں کو تو یکسر نظرانداز کر دیں گے جن میں احکامِ شریعت کی پابندی پر زور دیا گیا ہے اور ان حصوں کو نمایاں کرنے کی کوشش کریں گے جن سے کسی طرح شریعت کے استخفاف کا کوئی پہلو نکلتا ہو اور اگر کوشش کے باوجود کوئی ایسا پہلو نظر نہ آئے تو ان کے کلام کو توڑ موڑ کر خود کئی ایسے پہلو نکالنے میں انہیں کوئی باک نہیں ہوتا۔

اسلامی نظامِ حیات کے احیاء کا مقصد چونکہ اسلامی نظامِ شریعت کا نفاذ ہے اس لیے مارکس اور لینن کے یہ معتقدین ہمیشہ اس بات کے لیے کوشاں رہتے ہیں کہ کسی طرح شریعت کا ڈھانچہ منتشر ہو کر رہ جائے یا اگر بالکل پارہ پارہ نہ ہو تو کم از کم اس قدر کمزور ضرور ہو جائے کہ اس کے ہر حکم اور اصول کو اپنے ذوق کے مطابق موڑا جا سکے۔ اس بنا پر ان لوگوں نے ایسے تمام فتنوں کی سرپرستی اپنے ذمے لے رکھی ہے جن کا مقصد نظامِ شریعت کے اندر اختلال اور بگاڑ پیدا کرنا ہے۔ جو لوگ اس نظام کے مزاج اور اس کی ہیئت سے کچھ واقفیت رکھتے ہیں وہ اس حقیقت کو بخوبی جانتے ہیں کہ احکامِ الٰہی کا اصل منشا اور مدعا اور ان کے نفاذ کے عملی طریقے اور اس کی معین صورتیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ہی اجاگر ہوتی ہیں۔ اگر حضور کی سنت ہم میں موجود نہ ہوتی تو اسلامی نظامِ حیات کا پورا نقشہ اپنے تمام عملی مضمرات اور مظاہر کے ساتھ کبھی ہمارے سامنے نہ ہوتا۔ یہ حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا فیضان بلکہ اعجاز ہے کہ مسلم قوم نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ جیسی عبادات سے لے کر معیشت، معاشرت، سیاست اور قانون تک کے معاملات میں نہ صرف واضح تصورات رکھتی ہے بلکہ ان کی روح اور ان کی خارجی ہیئت سے بھی پوری (باقی بر صفحہ ۴۲)